

پھر حضور نے اپنی ساری قوت ان اصولوں کو نافذ کرنے میں صرف کر دی جو انسان کی فلاح کا بنیادی پتھر ہیں۔ کائنات کا نظام جس اصول پر قائم ہے اسی اصول پر انسانی زندگی کا سارا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی جدوجہد میں حضور نے زمانے بھر کی مصیبتیں سہیں۔ طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے، جلا وطنی قبول کی۔ قوم نے جینا مشکل کر دیا۔ لالچ دینے۔ دھکیاں دینے۔ نظر بند کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سوچ اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دو تو میں اسلام سے باز نہ آؤں گا۔ آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے جس اصول کی حقانیت کا نعرہ لگایا تھا اور جس راہ کی طرف دنیا کو بلایا تھا اس پر قائم رہے یہاں تک کہ فلاحِ انسانیت کے ان عالمگیر اصولوں کی جڑیں قیامت تک کے لیے زمین میں گہری جمادیں۔

پھر آپ نے ۲۳ سال کی مختصر سی جدوجہد میں وہ سوسائٹی قائم کر کے دکھا دی جس کا خواب انہوں نے انسانیت کو دکھایا تھا۔ جس خواب کو پریشان کرنے کے لیے مشرکین اور دشمن اپنے سارے ہتھیار لے کر نکل آئے تھے وہ ایک واقعہ کی صورت میں عالم وجود میں آ گیا اور عالمگیر بین الاقوامی بنیادوں پر جس معاشرے کی تائیس حضور کے پیش نظر تھی وہ جاہلیت کے پردوں کو مچھاڑ کر دنیا کے مطلع پر پہلی بار طلوع ہوا۔ اس میں حبش کے بلالؓ، ایران کے سلمانؓ، فارس کے باذانؓ اور روم کے صہیبؓ بھی شامل تھے۔ اس معاشرے میں غلام آقا بن گئے جو ہمیشہ سے لپست چلے آتے تھے وہ بلند ہو گئے جن کا کام صرف اطاعت کرنا تھا وہ فوجوں کے سالار ہو گئے اور جو حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ان کے اعزاز پر بڑے بڑے معززین کو بھی شگ آنے لگا۔

یہ معاشرہ خالص خدا کی بندگی کے اصولوں پر تعمیر ہوا۔ جس میں داخلے کی فیس صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تھی۔ اس طرح دنیا کے ہادی نے ایک نئی دنیا تعمیر کی اور اسے ایک نیا نظامِ اخلاق دیا، نیا نظامِ تعلیم، نیا نظامِ تمدن، نیا نظامِ معاشرت و معیشت اور نیا نظامِ حکومت دیا۔ اور ساری دنیا کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ پاکیزہ اصولوں پر ایک صالح نظام کس طرح تعمیر ہو سکتا ہے۔ اور وہ دنیا کو کتنی رحمت و برکت سے بھر سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نے دنیا کو ایک نیا انسان دیا۔ انسان کو بدل دینا یہی حقیقی انقلاب ہے۔

پھر جو گوہ حضور نے ان نئے انسانوں پر منتقل تیار کیا وہ صرف ان عالمگیر اصولوں کی بنیادوں پر ہی تیار کیا گیا اس کا تعلق نسل انسانی کے کسی خاص طبقے سے نہ تھا یا جغرافیائی حدود کی کسی خاص حد بندی سے نہ تھا بلکہ

وہ پوری دنیا کے انسانوں میں سے ایک اصول کے ترازو میں تول اور چھانٹ کر نکالے گئے اور ساری دنیا کی فلاح کے لیے انہیں مامور کیا گیا تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْسُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَتَنهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

اس طرح جو جماعت حضور نے تیار کی وہ تمام نوع انسان میں سے چھانٹی گئی جس کے چھانٹنے اور برپا کرنے کا مقصد وہی تھا جو حضور نے متعین کیا کہ وہ بھلائی کا حکم کریں اور بُرائی سے روکیں اور اللہ پر ایمان لائیں۔ چنانچہ ہر اس گروہ کو جو ان اصولوں پر منظم ہو بھلائی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو حضور نے اختیار کر کے دکھایا۔ ہر غیر الہی حکم سے بغاوت، ہر غیر الہی اطاعت سے انکار، خدا کے ہر باغی اقتدار کی نفی اور خدا کے مکمل اقتدار اور قانون کے نفاذ کے لیے مسلسل جدوجہد چاہے اس جدوجہد میں کتنے ہی اُحد اور کتنے ہی حنین سامنے آئیں۔ چاہے اس کی راہ روکنے کے لیے اپنے ہی بھائی بیٹے اور عزیز نہ آجائیں۔ اس راہ کی ہر کاوٹ کو حضرت عمرؓ کی طرح تلوار سے ہٹانا ہوگا۔

اس دور میں اس "اخراجت للناس" کے مخاطب آج کے مسلمان ہیں۔ ہمیں تک حضور نے اپنا پیغام پہنچا دینے کا حکم دیا تھا اور پہنچانے والوں نے پہنچا دیا۔ آج ہمیں ہی دنیا کو معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے لیکن اگر ہمارے ہاتھوں سے معروف دیے اور منکر پھلے پھولے تو پھر ہمیں اپنے آپ کو ہادی برحق کے پیرو کہہ کر ان کے نام کو ناپاک کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

چوں نہ داری از محمد زنگ و بو

از درودِ خود میالا نام او

آج حضور کا اسوہ اور آپ کا پیغام ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر ہم انہیں دنیا کا آخری ہادی مانتے ہیں اور آپ کے لائے ہوئے قانون کو ہر زمانے میں دکھی انسانیت کا واحد علاج سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں اس قانون کے نفاذ کے لیے اپنی زندگی کی ہر قوت صرف کر دینی چاہیے۔ چاہے اس کے لیے ہمیں قید و بند کے مصائب اور دار و رسن کی سختیاں بھی کیوں نہ سہتی پڑیں۔ جو لوگ رسول اکرم کی پیروی کا یہ حق ادا کریں حقیقت میں انہی کو مسلمان ہونا زیب دیتا ہے اور حضور کی پوری پوری پیروی کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے اس سے کم تر دین کا کوئی ایڈیشن تیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو جانے کا نہ ہمیں حق ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دی گئی ہے۔

# العلم والایمان

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ:۔ عبدالحمید صدیقی

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دور کا انسان — جو علم کے لحاظ سے بام عروج تک پہنچ چکا ہے — دین و مذہب کے اصول و ضوابط کا جہت منہ نہیں ہے۔ وہ مجرد علم کی بنیاد پر زندگی کا صحیح رخ متعین کر سکتا ہے اور اپنے معاملات میں نظم و توازن پیدا کر کے بہتر طور پر چلی سکتا ہے۔ نیز وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ علم کا پیش کردہ نظریہ زندگی عقلی و نفسیاتی لحاظ سے درست ہوگا جبکہ ان کے نزدیک مذہب، ایمان بالغیب جیسے غیر علمی نظریات سے ذہنوں کے اندر خلجان پیدا کرتے ہیں۔ دوسری چیز جو ان پرستارانِ علم کے لیے زیادہ کشش رکھتی ہے وہ ہے حریت فرد۔ ان کے خیال میں مذہب نے حلال و حرام کے نام سے فرد کی آزادی کو قدم قدم پر پامال کیا ہے لہذا جب انسان محض علم کی رہنمائی میں زندگی بسر کرے گا تو وہ اپنی آزادی کا تحفظ کر سکے گا۔ تیسری چیز جو ان کے نظریے کے مطابق پرستش حق میں جاتی ہے وہ حیاتِ دنیا اور اس کی ترقی کے لیے بھرپور کوشش ہے۔ کیونکہ دین، دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس کی نظر میں تمام اہمیت عالمِ آخرت کو حاصل ہے پس جب ایک چیز کی قدر و قیمت کا ہی دین قائل نہیں تو وہ اس کے حصول کے لیے زور کیسے دے سکتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی میں جب زندگی بسر ہوگی تو حیاتِ دنیا کی طرف انسان بھرپور توجہ دے سکے گا۔

یہ وہ تین امور ہیں جن کی بنیاد پر آج کا ذمی علم انسان دین و مذہب سے گریزاں ہے اور ایمان کی افادیت کا منکر۔ ذیل میں ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذکورہ بالا دعویٰ اپنے اندر کس حد تک صداقت رکھتے ہیں؟

علم اور ایمان کے مختلف دو اثر عمل | علم کی ایک حد ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاسکتا یعنی مادہ اور محسوسات کی محدود دنیا۔ علم مشاہدات و تجربات کر سکتا ہے اور اپنے تجربات سے صحیح یا غلط نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حس سے ماوراء اور مادہ سے آگے کیا ہے؟ تو علم اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ علم کی رسائی حقائقِ اشیاء کے ایک حصہ تک ہے یعنی اس کے ظاہری پہلو تک۔ باطن کے بارے میں علم کچھ نہیں جانتا۔ موجود اشیاء کیا ہیں اور کیسے ہیں۔

مادی چیزوں کے بارے میں علم صرف اتنی سوالات کا جواب دے سکتا ہے رٹا یہ سوال کرے کیوں ہیں تو اس کا جواب دینا علم کے بس کی بات نہیں یہ ایمان کا کام ہے۔ مادہ کا محرک اول کیا ہے؟ موجودات کی غایت الغایات کیا ہے؟ محسوسات و مشاہدات سے ماورا کیا ہے؟ اور ظاہر اشیاء کا باطن کیا ہے؟ ان سب سوالات کا نہایت شافی جواب صرف ایمان کے پاس ہے۔ آدمی مرے کہاں جاتا ہے؟ روح انسانی کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کا اس کائنات کے ساتھ ربط و تعلق کیا ہے؟ عالم افلاک اور سیاروں کو کس عظیم طاقت نے ایک زبردست انتظام میں جکڑ رکھا ہے؟ کیوں جکڑ رکھا ہے؟ اس کائنات کی ابتدا کب ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہے ان تمام امور سے بحث صرف ایمان کرتا ہے علم و عقل کے پُر اس مقام پر چلنے لگتے ہیں۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجرد علم پر انحصار کرنے والے حقائق سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو سکتے اور ان کے لیے یہ ایمان ہی کے محتاج ہیں۔ تو جس علم کی بے چارگی و کوتاہی کا یہ عالم ہے اس کے پرستاروں کی ضلالت اور حقیقت سے بُد کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

علم کے نتائج قطعی و یقینی نہیں ہوتے | علم کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس کے اخذ کردہ نتائج بجا طِ صحت قطعی و یقینی نہیں ہوتے۔ تاریخ میں علم کے ساتھ بار بار یہ حادثہ پیش آیا ہے کہ ایک وقت میں علم نے جس چیز کو مسلمہ حقیقت قرار دیا بعد کے ادوار میں وہ از قسیم اولام و اباطیل سمجھی گئی۔ اسی سلسلہ میں ایک امریکی اسکالر کے تاثرات ملاحظہ کیجیے۔ "علوم تجربہ شدہ حقائق کا نام ہے لیکن یہ حقائق انسان کے اولام و خیالات سے بھی متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ نیز انسان کا۔ ان حقائق کے ملاحظہ و وصف و استنتاج میں وقتِ نظر سے کام نہ لینا بھی ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بنا بریں نتائج علوم ایک تو اشیاء کی کیفیت و کمیت تک محدود ہوتے ہیں دوسرے احتمالات سے شروع ہو کر احتمالات پر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی صحت یقینی ہے زیادہ سے زیادہ جو بات کی جاسکتی ہے وہ ان کا اقرب الی الصحت ہوتا ہے تاہم خطا و احتمالِ خطا سے پاک وہ بہر حال نہیں ہوتے۔"

علمی پختگی ایمان کی طرف رہنمائی کرتی ہے | علم سے مکمل رہنمائی حاصل کرنے کے مدعی حضرات نے علم کو ایمان کے بالمقابل لاکھڑا کیا ہے حالانکہ علم، ایمان کا حریف نہیں نہ اس کا مد مقابل ہے بلکہ ایمان کی طرف رہنمائی

لے امریکی مصنف مارت استانی کو نجدن کا مقالہ کتاب اللہ تبجلی فی عصر العلم میں۔

کرنے والی ایک چیز ہے۔ تاریخ میں بہت سے راسخین فی العلم ایسے نظر آتے ہیں جن کے علم نے ان کی حقیقت کی طرف رہنمائی کی اور وہ اس قیامت تک پہنچ گئے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک برتر قوت ایسی موجود ہے جو اس کی تدبیر و انتظام فرما رہی ہے اور جس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک انداز سے اس کے اصل مقام پر رکھا ہے۔ ایک عالم کے لیے اس امر کو جاننا دوسروں کی بہ نسبت آسان ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں کتنا ربط و نظم اور کتنا استحکام پایا جاتا ہے اسے سموات والارض کی تخلیق میں، رات اور دن کے اختلاف میں، سمندر کے سینہ پر رواں دواں کشتیوں اور جہازوں میں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی میں اللہ کی بے حد بے حسہ نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہواؤں کی گردش میں، آسمانوں و زمین کے مابین مسخر بادلوں میں اور روٹے زمین پر انسانوں، جانوروں اور دوسری مخلوقات کے وجود میں جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں اس کا علم اسے ان کی مکمل معرفت بخشتا ہے اور نتیجتاً اس کا سر خدا ہے حی و قیوم کی چوکھٹ پر جھک جاتا ہے۔ استاذ ہوشل رقم طراز ہے ”علم میں جیسے جیسے وسعت آتی ہے ایک ازلی وابدی خالق کے وجود پر دلالت کرنے والی براہین میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ خالق کہ جس کی قدرت کی کوئی حد نہایت نہیں پس آج ماہرین حیاتیات، ریاضی دان، ہیئت دان اور ماہرین طبیعیات نے علم کے جس عظیم الشان قعر کی تزئین کی ہے وہ درحقیقت اللہ وعدہ لا شریک کی عظمت کا قصر ہے“

اسی معنی میں ہر برٹ سپنسر لکھتا ہے۔ ”علم ادام وخرافات کی تردید تو کرتا ہے لیکن دین کی تردید کبھی نہیں کرتا۔ آج اکثر و بیشتر علم طبیعی میں الحاد و زندگی کی روح سرایت کئے ہوئے ہے حالانکہ علم صحیح جو حقائق کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اس روح سے قطعی طور پر بیزار ہے۔ علم طبیعی دین کے منافی نہیں بلکہ اس علم میں رسوخ پیدا کرنا اور اس کی طرف توجہ دینا تو ایک لحاظ سے عبادت کرنا ہے۔ ایک طرح کی تسبیح خوانی ہے ایسی تسبیح جو زبان کی حرکت سے نہیں بلکہ تجربہ و عمل سے تعلق رکھتی ہے“ ڈاکٹر ڈی ڈی نومی جو نہایت ذی علم طبیب ہیں علم طبیعی پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”بہت سے سمجھدار اور بزعم خود نیک نیت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاسکتے۔ کیونکہ وہ اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ ایک علمی شوق رکھنے والا آدمی اللہ کا تصور زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتا ہے جتنا کہ وہ بجلی کے بارے میں کئے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے بارے میں اس کے تصور کی نوعیت بالکل ناقص ہے۔ بجلی اپنا کوئی مادی وجود نہیں رکھتی باریں ہمہ وہ ایک لکڑی کے ٹکڑے سے جو بہر حال مادی وجود رکھتا ہے، زیادہ بہتر طور پر اپنا وجود

حضرت انسان سے منوالیبتی ہے "پس اللہ تعالیٰ کے مادی وحسی وجود پر اصرار کرنا اور ماننے کے لیے اسے شرط لازم قرار دینا ایک غیر علمی بلکہ احمقانہ حرکت ہے۔

اہل علم کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم ایمان کا بدل کبھی نہیں بن سکتا بلکہ علم صحیح، ایمان کی صداقت کا شاہد عادل ہے ایمان کی منزل تک پہنچانے والی ایک روشنی ہے بجائے خود منزل نہیں۔

عقل و نفسیات کا معاملہ ایمان سے ہٹ کر جو نظریہ زندگی خالص علمی بنیاد پر اختیار کیا جائے گا کہا جاتا ہے کہ وہ عقلی و نفسیاتی اعتبار سے درست ہوگا۔ لیکن واقعات اس امر کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور مغرب کے مادی تمدن نے بھی اس کی نفی کر دی ہے۔ مغرب کے اہل علم کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے تجزیاتی علم اور فنی ترقی کی بنیاد پر ایسا نظریہ حیات اور ایسے اصول زندگی دریافت کر لیں گے جو عقلی و نفسیاتی لحاظ سے صحیح ہوں گے۔

برطانوی مورخ اور فلسفی ٹائن بی کی شہادت سنئے۔ "میں نے صنعتی فنون کی گہرائی میں ڈوب کر دیکھا تو محسوس کیا کہ ان انسانوں نے اپنی زندگی کی باگ ڈور ان کے ہمتے میں سے رکھی ہے اور انہوں نے پرانے دیوں کی جگہ پر کچھ نئے چراغ خرید لیے ہیں۔ یہ مگر اسی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ انسانوں نے اپنی جانوں کا سودا کر لیا اور بدلے میں سنیا اور ریڈیو لے لیے۔ اس تہذیبی تباہی — جس کا سبب تازہ ترین لین دین تھا — کا نتیجہ نکلا

کہ قلب و روح کی دنیا برباد ہو کر رہ گئی۔ ایسے ہی معاشرہ کو افلاطون نے خنزیریوں کا معاشرہ قرار دیا تھا اور اللہس ہکسلے نے اسی کو "ایک نئے ظاہر قریب مگر تاریک باطن جہان" سے تعبیر کیا۔ اس بحث کے اختتام پر ٹائن بی لکھتا ہے: "اب مغرب کی نجات اس میں ہے کہ اپنے نظام معیشت سے رخ پھیرے اور دین کی طرف رجوع کرے۔"

لیکن ٹائن بی یہیں یہ نہیں بتانا کہ اس انتقال کی صورت کیا ہو؟ وہ صرف یہ تاکید کرتا ہے: "مغرب کا انسان صرف دین کی وساطت سے وہ روحانی بالادستی حاصل کر سکتا ہے جو مادی قوت سمیت اس کی سلامتی کی ضامن ہے جسے اس وقت مغربی صنعت کے مشین دور نے نظر انداز کر رکھا ہے۔" ڈاکٹر الیکس کریل جنہوں نے اپنی زندگی

کا بڑا حصہ تجربہ گاہوں میں تجربات کرتے گزارا ہے اور جو جدید علم کا وافر ذخیرہ اپنے پاس رکھتے ہیں رقم طراز ہیں۔ "تجربہ ہے کہ دماغی امراض دوسرے تمام امراض سے زیادہ پائے جاتے ہیں اور شفا خانہ ہائے امراض دماغی پاگلوں سے بھرے پڑے ہیں اور نئے مریضوں کے لیے ان میں کوئی جگہ نہیں۔" س۔ و۔ بیرس کا تجزیہ یہ ہے کہ

لے کو کالن ولسن نے اپنی کتاب سقوط الحضارة میں اسے نقل کیا۔

نیویارک کے ہر بائیس باشندوں میں سے ایک دماغی امراض کے ہسپتال میں داخلہ کا مستحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کریل مزید لکھتے ہیں۔ "ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شفا خانوں میں پاگلوں کا علاج بڑی توجہ سے کیا جاتا ہے جن کی تعداد دق اور سل کے مریضوں سے آٹھ گنا زائد ہوتی ہے۔ وہاں ہر سال چھیالیس ہزار کے لگ بھگ افراد دماغی امراض کے ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے لوگ پاگل ہوتے رہے تو لاکھوں کروڑوں بچے اور جوان جو اس وقت سکولوں اور کالجوں میں جاتے ہیں جلد یا بدیر انہیں نفسیاتی بیماریوں کی وجہ سے ہسپتالوں میں داخل لینا پڑے گا۔ ڈاکٹر موصوف ایسے ہی مزید کئی اعداد و شمار دینے کے بعد لکھتے ہیں۔ "یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دورِ جدید کا متمدن انسان کس تباہی سے دوچار ہے۔ اور جدید معاشرہ میں دماغی صحت کا مسئلہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ دماغی امراض میں ہی نہایت خطرناک۔ یہ دق سل سرطان اور گردہ و دل کے امراض سے زیادہ خطرناک ہیں۔ بلکہ تپ محرقہ، طاعون اور ہیضہ بھی ان کے سامنے پیچ ہیں۔ پس اسی پہلو سے ہی یہ امراض لائق اعتناء نہیں کہ ان سے مجرموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی ان کے فوری سدباب کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان کی بنا پر وہ تفوق اور برتری متاثر ہو رہی ہے جو سفید فام نسلوں کو دوسری نواہی بشر پر حاصل ہے۔"

اسی سلسلہ سے تعلق رکھنے والی ایک خبر ملاحظہ فرمائیے، امریکہ کی پولیس نے باغی اداہا کی ایک انجمن کے وسیوں ارکان کو گرفتار کر لیا۔ اس کا سبب شعر و ادب پر مبنی ان کی قابل اعتراض تخلیقات و نگارشات نہ تھیں بلکہ ان کا عیناک رہن سہن، ان کا بکثرت افیون کھانا اور ان نشہ آور اشیاء کے استعمال کا خطرناک طور پر دفاع کرنا تھا۔ ان کی گرفتاری پر انجمن ہی کے ایک ممبر ولیم راک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "زندگی تلخ و ترش ہو گئی ہے اور لوگ مسلسل تعب و مشقت کا شکار ہیں اب اس نشہ کے روگ سے مفر کی کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ لوگ اپنے آپ کو دنیا کے خواب و خیال میں پہنچادیں اور بے کاری و کستی کے مزے لوٹیں۔"

یہ ہے وہ نفسیاتی و عقلی اعتبار سے صحیح دورِ زندگی جسے مغرب کے اہل علم نے دین و ایمان سے ہٹ کر دریافت کیا ہے اور جس پر جدید تہذیب و تمدن کو ناز ہے اور جس کے تلخ و تاریک نتائج کو دیکھ کر مغرب ہی کے سلیم الفکر دانشور چیخ اٹھے ہیں اور اپنے اربابِ حل و عقد کو دین و ایمان کی طرف لوٹنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

شخصی آزادی اور اس کے نتائج | محدود فکر کے علمبرداروں نے دین و ایمان کے خلاف اس لیے بھی بہت پراپیگنڈا کیا ہے کہ مذہب انسان پر بے جا پابندیاں عاید کرتا ہے اور قدم قدم پر اس کی آزادی کو سلب کر لیتا

ہے۔ اس کے مقابلے میں انہوں نے بنام علم جو نظریہ زندگی پیش کیا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں آزادی فرد میں کہیں مداخلت نہیں کی گئی۔

جہاں تک ان حدود و قیود کا تعلق ہے جو عقیدہ اسلام میں انسان پر عائد کی گئی ہیں وہ فرد کی آزادی میں مداخلت نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کے حقوق میں توازن کا قیام ہے۔ ایک شخص اگر بلا روک ٹوک خواہش نفس پوری کرنا چاہے تو بلاشبہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ ایک اور صاحب اگر کسی کی جیب پر ہاتھ صاف کرنے کا ادا رہتے ہوں تو ایسی آزادی کی بھی دین و ایمان میں کوئی گنجائش نہیں۔ فضائل اخلاق کو چھوڑ کر اگر کوئی آدمی زنا عمل اختیار کرتا ہے تو یقیناً اس کی بھی گرفت کی جائے گی۔ زبان کا غلط استعمال، طاقت کا ناروا مظاہرہ اور دولت کا ضیاع و بے جا صرف یہ سب ایسے کام ہیں جن کے ارتکاب کی اگر کھلم کھلا اجازت دے دی جائے تو معاشرتی زندگی کا امن و سکون غارت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس جہاں تک اس آزادی کا تعلق ہے جس سے انسانوں کے باہمی حقوق سلب ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی آزادی دین و ایمان کی رو سے حرام اور ممنوع ہے۔ رہی وہ آزادی جو انسان کی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے اور جس سے دوسرے افراد کے حقوق اور مفاد ملک و قوم متاثر نہیں ہوتا اس آزادی کو نہ صرف یہ کہ مباح قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے تحفظ کی بھی پوری پوری ضمانت دی گئی ہے۔

اب آئیے ذرا اس معاشرے کی حالت کا جائزہ لیں جو خود کو علم و شعور سے بہرہ ور سمجھتا ہے اور جہاں نام نہاد شخصی آزادی پائی جاتی ہے اور دیکھیں کہ اس نے زندگی کی اعلیٰ اقدار کا کس بے دردی سے خون کر ڈالا ہے۔

۱۹، ایک برطانوی سوسائٹی جو جنسی بے راہروی کا علاج سوچنے کے لیے معرض وجود میں آئی تھی اس کی رپورٹ یہ ہے کہ برطانیہ میں دس لاکھ افراد اور بسا اوقات اس سے بھی زیادہ لوگ جنسی بے راہروی میں مبتلا ہیں۔ (الاسہرام، قاہرہ، مئی ۱۹۶۵ء)۔

دب، سات کورٹریس لاکھ امریکی شراب پیتے ہیں جن میں سے دو کروڑ امریکی اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب، دو ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ (الاسہرام، قاہرہ، مئی ۱۹۶۵ء)۔  
(ج) سویڈش عورتوں نے جنسی آزادی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے عہد پور مظاہرہ کیا۔ اس مظاہرہ میں ملک کے ہر حصہ سے تعلق رکھنے والی خواتین نے شرکت کی جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی (اخبار الیوم